چند مہکتی یادوں کے ساتھ

حکیم محمود احمد برکاتی ○

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فقہی، کلامی اور سیاسی آرا سے تدریج کے ساتھ متاثر اور متفق ہونے کے بعد ان کی ذات گرامی سے آہستہ آہستہ دل چسپی، تعلق اور گرویدگی پیدا ہوتی گئی۔ اس کے نتیجے میں ان کی سیرت و کردار سے واقفیت کا داعیہ فطری طور پر پیدا ہوا، اور بہت سے منفی پہلو بھی بار سماعت ہوئے، مگر ان میں سے بیش تر معاصرت، حسد، مسلکی اختلاف کے اثر سے بے اصل و نامعتبر نکلے۔

محاسن سیرت کے سلسلے میں مجھے پہلی اطلاع یہ ملی کہ جامعہ عثمانیہ میں [اپنے] تقرر کی پیش کش مولانا نے اپنے اصول کی خاطر مسترد کر دی،[1] حالانکہ مولانا اس دور میں معاشی خستہ حالی کا شکار تھے۔ اس خبر نے مجھے مولانا مودودیؒ سے قلبی طور پر قریب تر کر دیا۔ حصول مقصد کے لیے قربانی اور تحملِ شدائد کا حوصلہ صرف عظیم انسانوں کی صفت ہے۔ اس کے بعد جب بھی مجھے ایسے حضرات ملے جن کو مولانا مودودیؒ سے کوئی معاملہ کرنے، ملاقات کرنے کا اتفاق ہوا تھا، ان سے ذکرِ یار سن کر کبھی لکھ لیتا اور کبھی حافظے کے خزانے میں جمع کر لیتا۔ ایسی ہی چند ملاقاتوں اور تاثرات کے جمع شدہ نوٹس قارئین ترجمان القرآن کے لیے پیش خدمت ہیں۔

○ طبیب، عالم دین، محقق اور مصنف، کراچی

۱- یہ اطلاع مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم نے دی کہ: ''جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد، دکن میں تقرر کی کوشش میں نے کی تھی، اور پھر میں ہی یہ پیش کش لے کر مولانا مودودی سے ملا تھا''۔ مولانا گیلانی نے یہ واقعہ رسالہ صدق جدید لکھنؤ میں، مولانا مودودی پر ایک تنقیدی مضمون میں قلم بند کیا تھا۔

● **جوش ملیح آبادی** (م:۱۹۸۴ء): جوش صاحب سے مولانا مودودی کے روابط حیدرآباد دکن میں قیام کے زمانے سے تھے۔ مولانا کے بردار بزرگ مولانا سید ابوالخیر مودودی (م: اگست ۱۹۷۹ء) اور جوش صاحب ایک ہی مکان میں کچھ عرصے تک رہے تھے۔ لکڑی کے پل (محلّہ) میں مکان کے اوپر کے حصّے میں جوش صاحب اور نیچے ابوالخیر صاحب رہتے تھے۔ جوش صاحب کا جب ریاست حیدرآباد سے اخراج ہوا، تو ان ریاستوں میں جو ماحول ہوتا تھا اس کے پیش نظر ان کے احباب تو ایک طرف، قریب ترین اعزہ بھی ان سے ملنے اور تعلق ظاہر کرنے سے کتراتے تھے۔ مگر جیسا کہ خود جوش صاحب نے یادوں کی برات میں لکھا ہے کہ انھیں اسٹیشن پر رخصت کرنے صرف مودودی برادران آئے تھے۔ اس کے بعد برسوں دونوں کی ملاقات نہیں ہوئی۔

مولانا مودودی، پاکستان میں تھے اور جوش صاحب بھارت میں۔ پھر جب جوش اپنے دوست جواہر لال نہرو اور 'نئے بھارت' سے مایوس ہو کر پاکستان آگئے اور کراچی میں طرح اقامت ڈالی تو ایک دن مولانا مودودی سے بھی ملاقات ہو گئی۔ مولانا کراچی تشریف لائے ہوئے تھے اور پیرالٰہی بخش کالونی میں شیخ سلطان احمد صاحب لکھنؤ والے کے ہاں مقیم تھے۔ جوش صاحب پتا حاصل کر کے ایک دوپہر وہاں پہنچ گئے۔ پروفیسر حبیب اللہ رشدی (م: ۱۹۶۹ء) جوش صاحب کے ساتھ تھے۔ رشدی صاحب کا تعلق حیدرآباد دکن سے تھا، وہ وہاں پر صف اول کے صحافی تھے، روزنامہ نظام گزٹ انھی نے جاری کیا تھا اور تقسیم کے بعد سے کراچی میں مقیم تھے۔ حبیب اللہ رشدی صاحب اور جوش صاحب، سلطان صاحب کے ہاں پہنچے۔ جب جوش صاحب کو بتایا گیا کہ مولانا مودودی کھانے اور نماز ظہر سے فراغت کے بعد آرام کر رہے ہیں، تو جوش نے اصرار کر کے معلوم کیا کہ مولانا کس کمرے میں سو رہے ہیں اور پھر بے تکلفی سے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا، دروازہ کھلا تو ہانک لگائی ''عوام کو جگا کر علما سو گئے''۔ مولانا نے خوش دلی سے جوش صاحب کا استقبال کیا اور دیر تک یہ مجلس گرم رہی۔ بہت سے دل چسپ فقروں کا تبادلہ ہوا، مثلاً جب مولانا نے ذکر فرمایا: ''اپنی قیام گاہ تبدیل کر رہا ہوں'' تو، جوش صاحب نے پیش کش کی: ''مولانا، میرے ہاں آجایئے''۔ مولانا نے برجستہ فرمایا: ''اس میں میری بھی رسوائی ہے اور آپ کی بھی''۔ گفتگو میں جوش صاحب نے مسئلہ جبر و قدر سے اپنی دل چسپی کا ذکر کیا تو مولانا نے فرمایا: ''بگڑا ہوا شاعر ضرور جبر و قدر پر طبع آزمائی فرماتا ہے''۔

اس محفل کی روداد رشدی صاحب نے اسی روز مجھے سنائی تھی اور میں نے قلم بند کر لی تھی۔ مولانا دوسرے ہی روز علی الصبح بازدید کے لیے جوش صاحب کے ہاں تنہا تشریف لے گئے۔

● **حکیم نصیر الدین ندوی (م: ۱۹۹۸ء)**: حکیم صاحب' اجمیر کے مقبول معالج تھے۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی منتقل ہو گئے تھے۔ ان کا مطب ''نظامی دواخانہ'' دواخانے سے زیادہ ایک علمی اور تہذیبی مرکز کے طور پر متعارف تھا۔ اکابر دین' مشاہیر سیاست' خاصان علم وادب کی ان کے ہاں آمد و رفت رہتی تھی اور علمی و ادبی مجالس گرم رہتی تھیں۔ حکیم صاحب کو اپنے فن میں مہارت کے علاوہ شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق تھا۔ انھیں اردو سے زیادہ عربی و فارسی کے ہزاروں اشعار یاد تھے۔ سردار عبدالرب نشتر ابتدا میں تو ان کے زیر علاج مریض تھے' مگر بعد میں دوست ہو گئے تھے اور بیدل کے اشعار سمجھنے ان کے ہاں آجایا کرتے تھے۔

حکیم صاحب' مولانا مودودی کے نام اور کام سے واقف تھے مگر ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ایک بار مولانا مریض کی حیثیت سے ان کے ہاں تشریف لائے۔ حکیم صاحب سے ادویہ تجویز کروانے کے بعد چودھری غلام محمد صاحب مرحوم کو نسخہ دیا کہ ''۴۰ دن کی دوا بنوالیں''۔ مگر جب چودھری صاحب کو معلوم ہوا کہ حکیم صاحب نے ادویہ کی قیمت نہ لینے کی ہدایت کی ہے' تو مولانا سے آکر یہ بات کہی۔ مولانا نے فرمایا: ''کوئی بات نہیں' دوائیں لے لیجیے'' (اس کے جواب میں مولانا نے لاہور پہنچتے ہی چیتی گلاب کی ایک بڑی مقدار حکیم صاحب کو بھجوادی۔ چیتی گلاب کی کراچی میں نایابی کا ذکر آیا تھا)۔

پہلی ملاقات میں دونوں میں قرب و اتحاد کے کئی پہلو نکل آئے۔ حکیم صاحب نے جب مولانا کو دعوت طعام دی تو مولانا نے بے تامل قبول کر لی۔ اس ملاقات میں راقم بھی شریک تھا۔ مولانا اس بزمِ طعام میں بے تکلف اور شگفتہ انداز میں شریک ہوئے۔ موسم سرما تھا۔ حکیم صاحب نے مولانا سے پوچھا: ''مولانا' آپ کی روٹی گرم کر دوں؟'' مولانا نے فرمایا: ''گرم روٹی اور ٹھنڈا پانی تو بڑی نعمت ہے''۔ چنانچہ حکیم صاحب نے انگیٹھی پر روٹی گرم کر کے مولانا کو پیش کی' مگر پانی کے درجہ برودت کو ناکافی بتایا تو گلاس میں برف کی ڈلیاں ڈال دی گئیں۔ حکیم صاحب نے کہا: ''مولانا' آپ کے ہاں معقولی اور منطقی انداز فکر ہم خیرآبادیوں جیسا ہے''۔ اس پر مولانا نے فرمایا: ''جی ہاں' میں بھی خیرآبادی مکتب فکر سے منسلک ہوں۔ میں نے معقولات کی تحصیل مولانا عبدالسلام سے کی ہے''۔ اس

پر حکیم صاحب بہت خوش ہوئے۔ مولانا عبدالسلام نیازی۲ سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ جب بھی وہ اجمیر آتے تو حکیم صاحب کے ہاں ہی قیام فرمایا کرتے تھے۔

کھانے سے فراغت کے بعد حکیم صاحب نے فرمایا: ''مولانا' وائٹ جیسمین کا ذوق ہے؟'' مولانا نے شگفتگی سے فرمایا: ''جی' جیسمین بہت پی ہے مگر جب سے غبار خاطر شائع ہوئی ہے' چھوڑ دی''۔ مولانا کا جواب سن کر کئی حضرات مسکرا دیے۔ ایک صاحب نے زیرلب فرمایا: ''اعاظم کی انا کی بھی ایک اپنی ہی شان ہوتی ہے''۔

مولانا نے چند ماہ بعد ماہرالقادری مرحوم کے نام اپنے ایک گرامی نامے میں اصل مقصد کے بعد تحریر فرمایا تھا: حکیم نصیرالدین ندوی صاحب کو میری طرف سے عرض کریں کہ آپ نے مجھے جو دوا دی تھی اس نے میری برسوں کی غلاظتیں دور کر دیں۔ اگر آپ مجھے اس کا نسخہ عنایت فرما دیں تو کرم ہو (ایسے ہی کچھ الفاظ تھے)-- ماہر صاحب نے مولانا کا یہ خط فاران میں شائع فرماتے ہوئے مولانا اور حکیم صاحب کے مراسم پر ایک نوٹ بھی لکھا تھا جس پر یہ مصرع بھی تھا ع

میانِ پختہ کاراں بود بحث خویشتن داری

● **محمد یوسف صدیقی (م:۱۹۷۶ء)**: محمد یوسف صدیقی صاحب جماعت کے ابتدائی دور کے رفقا میں سے تھے اور وطن ٹونک تھا۔ غالباً تقسیم سے پہلے جماعت کی شوریٰ میں بھی تھے' تقسیم کے بعد اپنا کاروبار ختم کر کے مرکز کی دعوت پر دہلی جا بسے۔ جماعت اسلامی ہند کے انگریزی اخبار Radiance' دہلی کے چیف ایڈیٹر بھی تھے۔ ۱۹۴۷ء میں انھی کی تحریک پر جماعت اسلامی کا سالانہ اجتماع ٹونک میں ہوا تھا' جس میں مولانا مودودیؒ بھی تشریف لے گئے تھے۔ صدیقی صاحب کئی کئی دن دارالاسلام میں جا کر مقیم رہتے تھے اور مولانا کو ان سے خصوصی تعلق تھا۔

محمد یوسف صدیقی صاحب کے بتائے ہوئے واقعات درج ذیل ہیں:

۱- مولانا مودودیؒ نے ایک مرتبہ فرمایا: ''حیدرآباد میں ہاتھ تنگ رہتا تھا اور آمدنی قلیل تھی۔ اس لیے فاقہ کشی سے بچنے کے لیے میں چند سیر [بھنے ہوئے] چنے خرید کر رکھ لیتا تھا' تاکہ کچھ نہ

۲- مولانا عبدالسلام کے متعلق مولانا مودودی کے دو خطوط میری نظر سے گزرے جو بہت عقیدت مندانہ جذبات پر مشتمل ہیں۔ ایک مجلہ خاتون پاکستان کے مدیر شفیق بریلوی کے نام تھا۔

ملنے کی صورت میں چنے کھا کر پانی پی لیا جائے''۔

۲۔اسی طرح ایک مرتبہ مولانا مودودیؒ نے فرمایا: ''میں دکن سے دارالاسلام [پنجاب] نیا نیا آیا تھا۔آتے ہی ترجمان القرآن کا تازہ شمارہ شائع کر دیا اور پھر دارالاسلام کے انتظامات میں مصروف ہوگیا۔کمر کمر تک گھاس کھڑی تھی' وہ کٹوا رہا تھا۔اسی دوران ایک صاحب آئے' پختہ عمر' سادہ دیہاتی لباس' ہاتھ میں لکڑی اور تھیلا' وہ مجھ سے ہی ملنے آئے تھے۔میں نے جب اپنا تعارف کروایا تو انھوں نے تھیلے سے ترجمان القرآن کا تازہ شمارہ نکال کر' میرے مضمون کی ایک عبارت دکھائی جس پہ انھیں اعتراض تھا۔میرے جواب سے مطمئن ہو کر انھوں نے رسالہ تھیلے میں رکھا اور رخصت ہونے لگے۔میں نے تعارف چاہا تو معلوم ہوا کہ صوبہ سرحد کے ایک قصبے سے ان کا تعلق ہے۔ رسالے میں ایک قابلِ اعتراض عبارت دیکھتے ہی وہ اس پر احتجاج کے لیے لکڑی اور تھیلا ہاتھ میں لے کر چل پڑے' لیکن جب اعتراض رفع ہوگیا تو مطمئن ہو کر اسی وقت واپسی کے لیے تیار ہوگئے۔ میں نے انھیں پیش کش کی کہ کچھ دیر قیام کریں' ستا لیں' ماحضر تناول فرما لیں پھر واپسی ہو۔مگر انھوں نے عذر کیا: ''جزاک اللہ' مجھے کئی ضروری کام درپیش ہیں' بس یہ مضمون پڑھتے ہی میں بے چین ہوا' اور سب کام چھوڑ کر یہاں چلا آیا۔اب چونکہ اطمینان ہوگیا ہے اس لیے ایک لمحہ ٹھیرنا بھی دوبھر ہوگا''۔مولانا مودودیؒ فرماتے تھے: ''میں نے ان صاحب کی آمد سے بڑا اطمینان محسوس کیا کہ میں زندوں کی بستی میں آ گیا ہوں۔ورنہ برسوں دکن میں رہا اور بہت متنازعہ فیہ مضامین لکھے' لیکن وہاں پر مجھے کوئی گریبان پکڑنے والا نہیں ملا تھا''۔

محمد یوسف صدیقی مرحوم ہی کے حوالے سے ایک اور واقعہ بھی جی چاہتا ہے کہ ذکر کروں۔ اجتماع ٹونک کے موقعے پر یوسف صاحب نے اپنے ہاں مولانا کی دعوتِ طعام کا اہتمام کیا' اور اس میں خاصانِ شہر کو بھی شرکت کی دعوت دی تھی۔انھی حضرات میں ایک وکیل صاحب بھی تھے۔اللہ بخشے بحث ومناظرہ کا انھیں خاص ذوق تھا۔بہت بولتے تھے اور دوسرے کی ہر بات کی تردید کی کوشش میں ہر لمحے مستعد دکھائی دیتے تھے۔کئی دن سے وہ مولانا کی نشست میں شریک ہو رہے تھے اور اپنے ''فن'' کا مظاہرہ کرتے تھے۔خیر' یہ وکیل صاحب بھی اس دعوت میں بلائے گئے تھے۔کھانے کی ڈشوں میں بکرے کا بھیجا بھی تھا۔میزبان نے مولانا کو متوجہ کیا: ''مولانا' بھیجے کی طرف بھی توجہ

فرمائیں''۔ مولانا نے فرمایا: ''ہمارے وکیل صاحب کو دیجیے۔ انھیں بھیجا کھانے کا بہت شوق ہے''۔ سب شرکاے طعام وکیل صاحب کے اس ذوق وشوق سے واقف تھے' اس لیے وکیل صاحب سمیت سبھی نے خوب لطف لیا۔

● **حکیم شمس الحسن** (م:۱۹۷۹ء): حکیم صاحب سہارن پور کے گھرانے کے فرد تھے۔ ان کے ایک بزرگ داروغہ محمد ارحم انصاری میرٹھ میں ۱۸۱۸ء میں سید احمد شہیدؒ سے بیعت ہوئے۔

حکیم شمس الحسن صاحب' عالم اور فاضلِ طب تھے۔ تاسیسِ جماعت اگست ۱۹۴۱ء سے پہلے بھی ان کا مولانا مودودیؒ سے تعلق تھا۔ پھر اگست ۱۹۴۱ء میں جماعت کے بنیادی رکن بنے۔ بعد میں بعض وجوہ سے رکنیت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ لیکن ۱۹۷۱ء میں جب دیکھا کہ اشرار کے ساتھ اخیار بھی' اور اسلام دشمنوں کے ساتھ علماے کرام بھی جماعت اسلامی کی مخالفت میں ہم قدم ہیں' تو انھوں نے میدان جہاد میں کود پڑنے کا فیصلہ کرلیا اور جماعت کی رکنیت دوبارہ اختیار کر لی۔ پھر اخباری بیانات کے علاوہ خطبوں کے ذریعے مولانا امین احسن اصلاحی (م: دسمبر ۱۹۹۷ء) وغیرہ کو جماعت کا ساتھ دینے کی تلقین کی۔ سکھر میں جہاں وہ عرصے سے مقیم تھے ۱۵/ ۱۶ دسمبر ۱۹۷۹ء کو وصال فرمایا۔

حکیم شمس الحسن صاحب سے راقم کا تعارف ۱۹۵۲ء میں ہوا۔ اس وقت وہ جماعت میں شامل نہیں تھے۔ ان کی علیحدگی میں بنیادی طور پر رفقاے جماعت سے اختلافات کو دخل تھا' مولانا کے افکار ونظریات سے اس وقت بھی انھیں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ مولانا کے ذاتی اوصاف وکمالات کے تو وہ بے حد مداح ومعترف تھے' اور اکثر اس قسم کے واقعات بڑی عقیدت سے سنایا کرتے تھے' جن سے مولانا کی عظمتِ کردار' وسعتِ ظرف' علوہمت' درویش مزاجی' اتقا' توکل' تحمل' صداقت شعاری' ایثار' تدبر' دردمندی' ذہانت' فراست اور شگفتہ مزاجی کا اندازہ ہوتا ہے۔ بعد میں حکیم شمس الحسن صاحب کراچی سے سکھر منتقل ہوگئے' تاہم جب بھی وہ کراچی تشریف لاتے تو لازماً غریب خانے پر آنے کی زحمت فرماتے اور ہماری طویل نشست رہتی۔ ہماری گفتگو کا موضوع بیش تر مولانا مودودی کی شخصیت ہی ہوتی تھی۔

اخیار وصلحا کی داستانوں سے مجھے لڑکپن سے ہی دل چسپی رہی ہے' اور اس کے فوائد وثمرات

کا بھی مسلسل تجربہ ہوا ہے۔ ایک بار خیال ہوا کہ حکیم شمس الحسن کی ان قیمتی روایات کو قلم بند کر لیا جائے۔ اس حوالے سے میں نے خود حکیم صاحب سے عرض کی: ''آپ کے حافظے میں تاریخ جماعت اور سیرت مودودی کا بڑا قیمتی سرمایہ محفوظ ہے' اسے ضائع نہ ہونے دیں بلکہ اسے قلم بند کر لیں۔ مجھے بحیثیت معالج معلوم ہے کہ پایانِ عمر میں بہت سا ذخیرہ لوحِ حافظہ سے محو ہو جاتا ہے اور بہت سے واقعات اور سنین مختلط ہو جاتے ہیں''۔ جواب میں حکیم صاحب قلم دانی سے اپنی عدم مناسبت کا عذر کرتے رہے' مگر میرے مسلسل اصرار کے بعد انھوں نے وعدہ کر لیا۔ جس پر یہ طے ہوا کہ حکیم صاحب سکھر سے مجھے اقساط بھیجتے رہیں گے اور میں انھیں جمع کرتا رہوں گا۔ چنانچہ حکیم صاحب نے یہ سلسلہ شروع کر دیا۔ وہ ایک ایروگرام لے کر لکھنا شروع کر دیتے اور جب اس کی وسعت تنگ ہو جاتی تو مجھے روانہ کر دیتے۔ افسوس ہے کہ حکیم صاحب کے ایسے تین ہی خط آئے تھے کہ پھر داستان سنانے والا خود داستان بن گیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ ان خطوں میں بات اس انداز سے شروع کی گئی تھی کہ جیسے کوئی مبسوط کتاب لکھنی پیشِ نظر ہو۔ اس ضمن میں سیرت مودودی کے سلسلے میں' حکیم صاحب کی باتیں آپ کو سناتا ہوں:

حکیم شمس الحسن نے فرمایا: ''میں ایک زمانے میں بہاول پور میں مقیم تھا۔ وہاں مولانا مودودی کے خالہ زاد بھائی مشتاق احمد زاہدی سے جو بہاول پور کے ایک کالج میں پرنسپل تھے' مولانا کا تذکرہ' ان کے علم و فضل اور ذہانت و ذکاوت کی باتیں سنی تھیں' اور مولانا کی کچھ تحریریں خصوصاً مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش وغیرہ دیکھی تھیں۔ چنانچہ' میں بہاول پور سے سہارن پور جاتے ہوئے لاہور اتر گیا اور مولانا کے گھر پہنچا۔ مولانا اس زمانے میں پٹھان کوٹ سے لاہور منتقل ہو گئے تھے' اور اسلامیہ کالج لاہور میں اعزازی پروفیسر بھی ہو گئے تھے' اسلامیہ پارک میں کرائے کے ایک مکان میں رہتے تھے۔ میری اطلاع پر مولانا آئے' بیٹھک کھول کر بیٹھ گئے۔ یہ ۱۹۳۹ء کی بات ہے' جب مولانا سے میری مختصر سی بات ہوئی۔

میں نے دریافت کیا: ''آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟'' مولانا نے فرمایا: ''تجدید و احیاے دین''۔ میں نے کہا: ''یہ کام تنہا نہیں ہو سکتا اور ایک جماعت کے بغیر نہیں ہو سکتا''۔ مولانا نے فرمایا: ''صحیح ہے جماعت بنانی ہو گی''۔ میں نے کہا: ''جب بھی آپ جماعت بنائیں تو میرا پتا یہ ہے' آپ

مجھے اس کی اطلاع ضرور دیں اور مجھے اس میں آج ہی شامل سمجھیں"۔ مولانا نے فرمایا: "سوچ سمجھ لیجیے"۔ بس اتنی سی بات کر کے میں چلا آیا۔ چند روز کے بعد قمرالدین صاحب کا خط آیا جو اس زمانے میں مولانا کے سیکرٹری تھے: "مولانا پوچھتے ہیں کہ آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" میں نے جواب لکھ دیا: "میں تو اپنا فیصلہ اسی وقت مولانا کو بتا آیا تھا۔ وہی میرا آخری فیصلہ ہے"۔ چنانچہ اگست ۱۹۴۱ء میں جماعت کی تاسیس کے سلسلے میں دعوت نامہ آیا اور میں اجتماع میں شرکت کے لیے لاہور پہنچ گیا"۔

حکیم شمس الحسن صاحب کے بقول: "تاسیسِ جماعت کے اجتماع میں شرکت سے پہلے میری مولانا سے ایک اور ملاقات بھی ہوئی تھی۔ جب میں پہلی بار مولانا مودودی سے مل کر سہارن پور پہنچا تو مدرسہ مظاہر العلوم کے ایک عالم مولوی جمیل احمد نے مجھ سے اپنے ایک منصوبے کا ذکر کیا' جو بم بنانے کا کارخانہ بنانے سے متعلق تھا۔ جمیل صاحب نے سہارن پور کی اہمیت بتائی کہ: "یہ شہر کئی انگریزی چھاؤنیوں کے عین وسط میں ہے اور یہاں کا ہنگامہ بہت جلد پھیل سکتا ہے"۔ میں نے ان کی تائید کی اور اپنی اعانت کا وعدہ بھی کیا' مگر اس شرط کے ساتھ کہ میں ایک صاحب سے وعدہ کر چکا ہوں اور پہلے ان سے اجازت لینی ضروری ہے۔ چنانچہ میں نے مولانا مودودی کو خط لکھا: ایک اہم مسئلے پر آپ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ میرے اس خط کے جواب میں مولانا محترم نے مجھے چار روپے کا منی آرڈر کیا (اس دور میں سہارن پور سے لاہور تک ریل کا کرایہ چار روپے ہوتا تھا) اور کوپن پر مولانا نے لکھا: "یہ کرایہ ہے' آپ فوراً چلے آئیں"۔ چنانچہ میں لاہور پہنچا اور مولانا سے اس منصوبے کا ذکر کیا۔ میری بات سننے کے بعد مولانا مودودی نے ایک مفصل گفتگو فرمائی اور یہ ثابت کر دیا کہ: "یہ کرنے کا کام نہیں ہے۔ کرنے کا کام اقامت دین' اسلام کی ہمہ گیر اور ہمہ جہت جدوجہد ہے' جس کے نتیجے میں صرف اس ملک سے انگریز ہی نہیں' بلکہ ہر طاغوت کو سیادت و قیادتِ عالم سے ہٹا دیا جائے گا"۔ چنانچہ میں نے واپس سہارن پور جا کر مولوی جمیل احمد صاحب سے معذرت کر دی۔

حکیم صاحب نے بتایا: "اگست ۱۹۴۱ء میں تاسیسِ جماعت کا جلسہ ہوا۔ اس میں ۷۵ افراد نے رکنیت کا حلف اٹھایا تھا۔ مولانا محمد منظور نعمانی نے اس وقت جو تقریر کی تھی' اس میں وہ خود بھی اس قدر روئے تھے کہ داڑھی تر ہو گئی تھی اور دوسرے شرکا پر بھی رقت طاری تھی"۔

تاسیسِ جماعت کے کچھ عرصے بعد مولانا مودودیؒ پھر دارالاسلام' پٹھان کوٹ منتقل ہو گئے

اہلِ ایمان کے لیے خوشخبری
امام المجاہدینؐ نے فرمایا

جس نے اللہ کی راہ میں لڑنے والے غازی (مجاہد) کو ساز و سامان مہیا کیا وہ بھی غازی ہے
اور جو غازی (مجاہد) کے پیچھے اس کے اہل و عیال کے لیے اچھا جانشین بنا، وہ بھی غازی ہے۔

شہدائے اسلام کے جانشین بنیئے

نقد عطیات مقامی دفتر میں جمع کروا کر رسید حاصل کیجئے یا چیک، ڈرافٹ، منی آرڈر کی شکل میں براہِ راست ہمیں ارسال کیجئے۔

شہدائے اسلام فاؤنڈیشن

شہدائے اسلام فاؤنڈیشن

1995ء سے امت مسلمہ پر عائد اسی قرض کی ادائیگی اور ہزاروں شہداء کے گھرانوں کی خدمت کے لئے ہمہ وقت مصروفِ عمل ہے۔ آیئے آپ بھی اس مقدس اور بابرکت اجتماعی فریضہ کی ادائیگی اور جہادِ اسلامی کی پشتی بانی کے لئے فاؤنڈیشن کے ہاتھ مضبوط کیجئے۔

- ★ ایک فیملی کی کفالت کی ذمہ داری سنبھال لیجئے۔
- ★ بچوں کے لئے تعلیمی وظائف کا اہتمام کیجئے۔
- ★ شہید کے گھرانے کے لئے کاروبار کا اہتمام کر کے دیجئے۔
- ★ عیدین کے موقع پر تحائف کا اہتمام کیجئے۔
- ★ مکانات کی تعمیر کے لئے عطیات دیجئے۔
- ★ شہید کی بچی، بچے، بہن، بھائی کی شادی کے اخراجات کا اہتمام کیجئے۔
- ★ شہید کے ذمہ واجب الادا قرض کی ادائیگی کے لئے تعاون کیجئے۔
- ★ دشمن کی قید میں موجود مجاہدین کی خدمت کیجئے۔

سرپرست:
قاضی حسین احمد
چیئرمین:
حافظ محمد ادریس
سیکرٹری جنرل:
اظہر اقبال حسن

مزید تفصیلات کیلئے رابطہ کیجئے

700- عمر بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور (پاکستان)
فون: 92-42-541 0787 ای میل: sifpak@hotmail.com
فیکس: 92-42-542 5188 ویب سائٹ: www.sif.org.pk

شروع ہی سے ایک بچہ کو دنیا سے اس طرح روشناس کرائیے کہ گویا وہ خدا کی سلطنت میں ہے۔ اس کے اپنے وجود میں اور تمام آفاق میں خدا کی آیات پھیلی ہوئی ہیں۔ ہر چیز میں وہ خدا کی حکمت اور قدرت کے آثار دیکھ رہا ہے۔ اس کا اور ہر شے کا براہِ راست تعلق خداوند عالم سے ہے جو آسمانوں سے زمین تک تمام معاملاتِ دنیا کی تدبیر کر رہا ہے۔ دنیا میں جتنی قوتیں اس کو حاصل ہیں اور جو اشیا اس کے لیے مسخر ہیں، سب کی سب خدا نے اس کو دی ہیں۔ ان سب سے خدا کی مرضی کے مطابق اور اس کے بتائے ہوئے طریقے پر اسے کام لینا ہے اور اپنے اس کام کی جواب دہی خدا کے سامنے اس کو کرنی ہے۔

ابوالاعلیٰ مودودی (تعلیمات) ص۔۹۷

آفاق درسی کتب

796۔فیصل ٹاؤن، لاہور۔فون:5161230، ای میل:afaq@post.com

مکتبہ معارفِ اسلامی (کراچی)

ہماری اور دیگر پبلشرز کی مشہور، مقبول اور معیاری کتب۔۔۔ دینیات، قرآنیات، فقہ، سیرت، طب، تاریخ، ادب، شخصیات کے علاوہ بچوں اور خواتین کے موضوع پر۔۔۔ پُرکشش رعایت پر حاصل کیجیے۔

ہمارے ادارے کی چند کتابیں

نام کتاب	مصنف	قیمت	نام کتاب	مصنف	قیمت
۵۲ دروسِ قرآن	سید طاہر رسول قادری	۸۵ روپے	انقلابی کتاب	سید طاہر رسول قادری	۶۰ روپے
مسائل اور ان کا حل	محمد یوسف اصلاحی	۷۵ روپے	اسلامیات (برائے پروفیشنل کالجز)	سید طاہر رسول قادری	۶۰ روپے
بین الاقوامی ایجنسیاں	اسرار عالم	۱۲ روپے	عالمِ اسلام کی صورتحال	اسرار عالم	۴۵ روپے
عالمِ اسلام کی روحانی صورتحال	اسرار عالم	۴۰ روپے	یاساری الجبل (کیا دجال کی آمد آمد ہے)	اسرار عالم	۳۵ روپے
قرآن کی معجز بیانی	گیری طر	۱۶ روپے	خودکشی اور جدید دور	راشد نسیم	۲۵ روپے
سوانح چوہدری غلام محمد	محمد موسیٰ بھٹو	۵۰ روپے	پیغمبرِ اسلام محمدؐ	پروفیسر کے ایس راما کرشنا راؤ	۲۰ روپے
افعال القرآن	فقیر حسین حجازی	۱۵۰ روپے	سفر آدھی صدی کا	عبدالکریم عابد	۱۲۰ روپے
کاغذ کے سپاہی	شاہنواز فاروقی	۷۰ روپے	پہلی بات	عبدالکریم عابد	روپے
شعورِ صحت	ڈاکٹر سید احسن حسین	۶۰ روپے	القدس (اردو اور انگریزی)	سید ابوالاعلیٰ مودودی	۱۵،۶ روپے

حال ہی میں شائع ہونے والی کتب

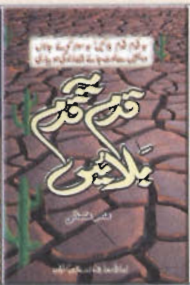

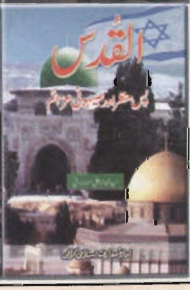

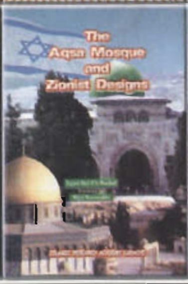

ہمارا پتا: ڈی-۳۵، بلاک-۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی-۷۵۹۵۰- فون:۶۳۴۹۸۴۰_۶۸۰۹۲۰۱(۹۲_۲۱)

منشورات

تحریکی لٹریچر کی طباعت واشاعت کی دنیا میں ایک جانا پہچانا نام ہے
ہم نے مختصر کتب شائع کرنے اور بہتر معیار کے باوجود ارزاں نرخ پر مہیا کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

ہماری خصوصی پیش کش

مولانا مودودیؒ کے 100ویں یومِ ولادت کے موقع پر

احیائے اسلام سیٹ — 12 مختصر کتابیں — قیمت:-/80روپے

دعوت و تنظیم سیٹ
12 مختصر کتابیں، قیمت: 60روپے

تعمیر سیرت سیٹ
18 مختصر کتابیں، قیمت: 60روپے

یہ آپ کی لائبریری کے لیے ہی ہیں

رمضان المبارک میں قربِ الٰہی کے حصول کے لیے رمضان کے تحائف

تحفہ رمضان
9 مختصر کتابیں، قیمت: 30روپے

توشہ رمضان
6 مختصر کتابیں 22روپے

ہدیہ رمضان
5 مختصر کتابیں 16روپے

سوغاتِ رمضان
7 مختصر کتابیں، قیمت: 32روپے

خزینہ رمضان
6 مختصر کتابیں 25روپے

معارفِ رمضان
7 مختصر کتابیں 30 روپے

رمضان ڈی لکس سیٹ امپورٹڈ کاغذ پر خوبصورت طباعت

10 کتابچے، کل صفحات 404، قیمت 40+320روپے (مع ڈاک خرچ)

گھر، دفتر، سکول میں آویزاں کرنے کے لیے

دعوتی وال چارٹ

بچوں کے لیے سبق آموز، دلچسپ، خوبصورت کہانیوں کی رنگارنگ کتب

★ پیاری کہانیاں ★ خوشبو ★ شہزادی کی تلاش ★ پہاڑوں کا راز
★ ہانڈی مل گئی ★ کچھوا اور خرگوش ★ چڑیا کے بچے ★ قلم گما دیا

12 دعائوں کے اسٹیکرز، اہم مواقع کے کارڈ، اسلامی روایات کے عید کارڈ

خرم مراد اور دیگر اہلِ قلم کی کتابیں اور کتابچے بھی دستیاب ہیں۔

اور بہت سی دوسری تربیتی کتب کی تفصیل کے لیے آج ہی لکھیے۔
کتب بذریعہ VP منگوائیں یا ڈرافٹ بنام منشورات ارسال کریں۔

منشورات
لاہور – منصورہ، ملتان روڈ، فون: 5434909 - 5425356 - 042 فیکس: 5432194 - 042
کراچی – ڈیسنٹ بک پوائنٹ، 57-A بلاک 5، گلشن اقبال۔ فون: 4967661-021 فیکس: 4911218-021
ای میل: manshurat@hotmail.com

تھے۔ حکیم صاحب بتاتے ہیں: ''میں ۴۳-۱۹۴۲ء میں تقریباً ایک سال تک پٹھان کوٹ میں مقیم رہا۔ وہاں میرے ذمے مہمان خانہ اور اسٹور وغیرہ کا انتظام تھا' ساتھ ہی میں مولانا کے دو بچوں عمر فاروق اور احمد فاروق کو پڑھایا بھی کرتا تھا۔ اسی لیے میں مولانا کے گھرانے میں 'ماسٹر صاحب' کہلاتا تھا۔ اس تقریباً ایک سال کے عرصے میں وہاں جو واقعات پیش آئے' یا مولانا سے جو واقعات سنے ان میں سے چند سناتا ہوں''۔

حکیم شمس الحسن مرحوم نے فرمایا: ''مولانا مودودی' دکن سے علامہ اقبال کی دعوت پر پنجاب جاتے ہوئے ابھی دہلی میں ٹھیرے ہوئے تھے کہ عبدالعزیز شرقی' علامہ کا کوئی پیغام لے کر دہلی پہنچے اور مولانا سے ملے۔ پھر مولانا' دہلی سے لاہور کے لیے روانہ ہوئے تو چودھری نیاز علی مرحوم' مولانا کے استقبال کے لیے بٹھنڈہ تک آئے تھے اور ساتھ ہی لاہور گئے تھے''۔

''پٹھان کوٹ میں مولانا مودودی کی والدہ بھی ان کے ساتھ رہتی تھیں۔ بڑی عابدہ وزاہدہ خاتون تھیں' مگر مولانا سے چھپ کر قرب و جوار کی قبروں کی زیارت کے لیے ضرور جایا کرتی تھیں۔ مولانا' اپنی والدہ کے اس طرح اخفا کی کوشش کے ساتھ جانے پر بس مسکرا دیا کرتے تھے''۔

''مولانا دکن سے پٹھان کوٹ تو آگئے مگر چودھری نیاز علی صاحب سے چند اصولی باتوں پر اختلاف کی وجہ سے وہاں نبھی نہیں' اس لیے لاہور منتقل ہو گئے۔ تاسیسِ جماعت سے پہلے منتقل ہونے کا یہ واقعہ مولانا مودودی نے مجھے بتایا تھا۔ فرمایا: ''میں نے اچانک ایک دن پٹھان کوٹ چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا اور ٹرک لے کر اہل و عیال اور سامان کو اس پر لاد کر لاہور پہنچ گیا اور مکان کی تلاش شروع کر دی۔ شام کو چوبرجی کے علاقے میں ایک مکان مل گیا' تو ٹرک سے سامان اور اہل و عیال کو اتارا''۔

''تاسیسِ جماعت کے کچھ ہی دن بعد قمرالدین خان' مولانا جعفر شاہ پھلواروی' مولانا محمد منظور نعمانی' وغیرہ نے مولانا مودودی پر اچانک تنقید شروع کر دی اور ایک تیرہ نکاتی تحریر مولانا کے خلاف لکھی۔ ان تیرہ میں سے ایک نکتہ یہ بھی تھا: ''مولانا مودودی کے ہاں صوفہ سیٹ ہے'' (وہ صوفہ بانس کا بنا ہوا تھا)۔ اور یہ کہ: ''آپ کا پان دان اور پانوں کی ڈبیا چاندی کی ہے'' (یہ دونوں چیزیں چاندی کی نہیں نِکل کی تھیں اور دکن کی مشہور فیکٹری کی بنی ہوئی تھیں)۔ مزید یہ کہ: ''آپ کی وضع قطع علما کی سی نہیں ہے''۔ چنانچہ دہلی میں مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا' جس میں یہ احباب جماعت سے الگ

ہو گئے''۔

''اسی زمانے میں جماعت کے مکتبے کے ناظم محمد شاہ تھے' جنھوں نے ترجمان القرآن کا ۱۴۰ رم کاغذ غائب کر دیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جنگ عظیم دوم کی وجہ سے کاغذ نایاب تھا۔ ہم نے بہت اصرار کیا کہ: ''مولانا' پولیس میں رپورٹ درج کرا دیں''۔ مولانا مودودی' برطانوی سامراج کی حکومت سے استفادے کی ان شکلوں کو جائز نہیں سمجھتے تھے' اس لیے انھوں نے یہ تجویز مسترد کر دی''۔

''اپنی اولاد کے سلسلے میں مولانا نے فرمایا: میں نے لڑکوں کے نام کے لیے حضرت عمر فاروقؓ کے نام کا انتخاب کیا ہے (یعنی عمر فاروق اور احمد فاروق وغیرہ) اور لڑکیوں کے نام کے لیے حضرت صدیق اکبرؓ کے گھرانے کی خواتین کے نام منتخب کیے ہیں' یعنی حمیرا' اسماء وغیرہ''۔

''پٹھان کوٹ میں مولانا مودودی درس قرآن دیا کرتے تھے' جس میں میرے علاوہ نعیم صدیقی' مولانا امین احسن اصلاحی' یحییٰ صاحب' ملک غلام علی وغیرہ شریک ہوتے تھے۔ مولانا کا درس قرآن پورا ہونے کے بعد مولانا امین احسن اصلاحی نے درس دینا شروع کیا۔ اب مولانا مودودی ہمارے ساتھ سامعین کے حلقے میں بیٹھ کر مولانا امین احسن اصلاحی کا درس سنتے تھے''۔

حکیم شمس الحسن نے یہ بھی فرمایا: ''مرکز جماعت کے قیام کے زمانے میں' مَیں مولانا کے بیٹوں کو پڑھاتا تھا۔ اسی دوران مولانا محترم کی اہلیہ سے میری تلخ کلامی ہوگئی۔ اس کے بعد الٰہ آباد کے اجتماع میں جہاں بیگم مودودی اور مولانا کی والدہ صاحبہ بھی گئی تھیں' وہاں پر والدہ صاحبہ نے میری تلخی ختم کرادی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اپنی بیگم سے سخت تلخی سے پیش آنے اور سچی بات یہ ہے کہ گستاخی تک کر گزرنے کے باوجود' مولانا مودودی نے مجھ سے نہ صرف یہ کہ کچھ نہیں کہا' نہ طرزعمل میں کوئی تبدیلی آنے دی بلکہ انھوں نے اپنی باوقار خاموشی اور باخبری پر مبنی لاتعلقی سے اس قسم کا تاثر دیا کہ دو بہن بھائیوں کی جنگ ہے' ہم کیوں دخل دیں۔ البتہ ایک روز کسی نے ذکر کیا تو بس یہ جملہ کہا: دو جلالی آپس میں متصادم ہوگئے ہیں''۔

حکیم شمس الحسن صاحب نے ایک عجیب تجربہ بیان کرتے ہوئے کہا: ''مولانا مودودی کے صبر وضبط کا ہم نے بار بار امتحان لیا' جس میں ہر بار وہ کامیاب نکلے۔ ایک بار نعیم صدیقی صاحب نے مولانا کے پاس سے آ کر ہم رفقا سے کہا: ''مولانا نے فرمایا۔ رکہ میں ایک ضروری تحریر لکھ رہا ہوں' اس

لیے کوئی صاحب ملنے نہ آئیں''۔ میرے مزاج میں جو بغاوت کا مادہ ہے وہ اس دور میں ویسے بھی شباب پر تھا۔ مولانا کی ہدایت اور نعیم صدیقی صاحب کی اطلاع سنتے ہی اس جذبہ بغاوت نے مجھے اکسایا' اور مولانا کی اس ہدایت کو چیلنج کرنے کے لیے میں اگلے ہی لمحے مولانا مودودی کے کمرے میں جا پہنچا اور کرسی کھینچ کر اس انداز سے مولانا کے سامنے جا بیٹھا کہ جیسے گپ شپ کرنے آیا ہوں۔ اب آپ مولانا مودودی کے ظرف کو دیکھیے' کہ وہ قلم رکھ کر میری طرف متوجہ ہو گئے اور میری باتوں کا جواب دینے لگے۔ جواب بھی کوئی ہاں' ناں میں نہیں' تفصیلی دیے اور گفتگو میں ایسی دل چسپی لی کہ جیسے خود اس وقت ایسی بے مقصد و بے موضوع گفتگو کے موڈ میں تھے۔ کچھ ہی دیر بعد مجھے ان پر رحم آ گیا اور میں یہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا: ''مولانا' آپ اپنا کام کریں' میں تو نعیم صاحب کی زبان سے آپ کی ہدایت سن کر' کہ مجھ تک کوئی نہ پہنچے بھڑک اٹھا تھا۔ بس اب بہت امتحان لے لیا''۔ میں نے باہر نکلنے کے لیے قدم اٹھایا ہی تھا کہ مولانا نے حسب معمول شگفتگی سے جواب دیا: ''اور پاس بھی کر دیا''، پھر ایک خاص انداز میں فرمایا: بھئی' ایک کمزور آدمی کو کب تک آزماؤ گے''۔

شمس الحسن صاحب نے بتایا: ''ایسے ہی ایک بار ہم چند رفقا بھاری لکڑی اٹھا کر لا رہے تھے' کہ میری نظر مولانا مودودی پر پڑی' جو اپنے چبوترے پر سفید بے داغ اور بُراق کپڑے پہنے بیٹھے لکھ رہے تھے۔ میرے ذہن میں پھر بغاوت کا کیڑا کلبلایا اور قدرے بلند آواز میں رفقا سے کہا: ''یہ بار تو وہ اٹھائے' جس نے امارت کا بار اٹھایا ہے''۔ مولانا نے میری یہ بات سن لی اور کوئی تاثر دیے بغیر فوراً قلم رکھ کر چبوترے سے اتر آئے اور ہماری مدد سے وہ لکڑی کاندھے پر رکھوا لی اور چلنے لگے۔ انھوں نے چند قدم ہی اٹھائے تھے کہ ہم نے الحاح وزاری کے ساتھ مولانا سے درخواست کی: ''بس کیجیے'' اور بمشکل وہ لکڑی مولانا کے کندھے سے اتروائی''۔

''ایک بار ایک ہندو کانگریسی رہنما' جو غالباً پنڈت جواہر لال نہرو کا پرائیوٹ سیکرٹری تھا اور بڑا ذہین اور صاحب نظر تھا' بیمار ہو کر ہمارے قریب میں اپنے گاؤں چھٹی پر آیا ہوا تھا۔ اس کو جب دارالاسلام کی بستی اور جماعت کے کام کی سن گن لگی' تو اس نے مولانا مودودی سے ملنے کے لیے وقت مانگا۔ وہ جب آیا تو ہم لوگ بھی شریک محفل ہو گئے۔ چائے سے تواضع کی گئی۔ وہ مولانا مودودی کی شخصیت اور دارالاسلام کے ماحول کی شائستگی اور صفائی کے اعلیٰ معیار سے خاص طور پر متاثر ہوا''۔

شمس الحسن صاحب نے روایت کیا: ''بعد میں بھی کئی بار میری اس سے ملاقات ہوتی رہی۔ اس نے کئی بار کہا: ''مولانا مودودی میں تو مولاناؤں جیسی کوئی بات نہیں ہے۔ باقاعدگی، صفائی، ستھرائی، منطقی اندازِ فکر، باخبر رہنے کا اہتمام، پُرزور استدلال، یہ باتیں مذہبی رہنماؤں میں نایاب ہیں، سوائے مولانا ابوالکلام آزاد کے''۔

مولانا مودودی سے گفتگو میں اس نے بڑے اہم سوالات کیے، اور مولانا کے جوابات پر اس کے اطمینان ہی نہیں حیرت کا بھی اظہار ہوتا تھا۔ جیسے سوچتا ہو: ایسا جواب، اور اس گاؤں میں ایک مولوی کی زبان سے؟ -- مولانا دورانِ گفتگو متعدد بار اعداد و شمار پیش کرتے تو وہ چونک سا جاتا تھا۔ ایک بار اس نے مولانا کے بتائے ہوئے اعداد و شمار پر شک کا اظہار کیا تو مولانا نے حوالہ پیش کر دیا، غالباً کانگریس کمیٹی کی رپورٹ کا۔ آخر میں اس نے مولانا مودودی سے پوچھا: ''آپ کو کب تک اپنے مقصد میں کامیابی کی توقع ہے؟'' مولانا نے ایک لمحے کا توقف کیے بغیر فرمایا: ''کم سے کم دو نسلوں کے بعد''۔ وہ اس جواب سے بہت ہی متاثر اور مرعوب ہوا۔

پھر اس کے بعد بھی اس سے میری کئی بار ملاقاتیں ہوئیں، کیوں کہ مجھے اس کے گاؤں سے گزرنا ہوتا تھا۔ ان ملاقاتوں میں اندازہ یہ ہوا کہ ایک ہندو کی حیثیت سے وہ خائف بھی ہوتا تھا۔ کہتا تھا: ''جب اسلام کے لیے اتنے سائنٹی فک طریقے پر کام کیا جائے گا، اندازِ فکر اتنا غیر جذباتی اور منطقی ہوگا، اور حالاتِ حاضرہ اور سیاسیاتِ عالم پر اس گہری نظر کے ساتھ اور صحیح خطوط پر تحریک چلائی جائے گی تو اس کی کامیابی کا قوی اندیشہ ہے''۔

حکیم شمس الحسن صاحب نے کہا: ''جماعت اسلامی کی تاسیس کے بعد بڑے بڑے زلزلے آئے، باہر بھی مخالفت کا طوفان اٹھتا رہا اور اندر بھی کئی ارکان معترضانہ، ناقدانہ بلکہ معاندانہ سرگرمیوں میں منہمک رہے۔ کبھی کبھی تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اب جماعت منتشر ہونے سے نہ بچ سکے گی۔ مگر اس سارے ماحول میں مولانا کے حوصلے اور ہمت کی شاید کوئی حد نہیں تھی۔ ان کو ہم نے کبھی مایوس، دل گرفتہ اور پریشان نہیں دیکھا، بلکہ ہماری پریشانی اور نراش مولانا کے پاس جا کر دور ہو جاتی تھی۔ مولانا کی شگفتگی کی بہار ہر موسم میں پھول کھلاتی رہتی تھی، وہی فقرے، چٹکلے، لطفِ طبع، تبسم، خندہ جبینی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے مولانا کے کمرے میں نہ کسی آندھی کا گزر ہوتا تھا، نہ ژالہ باری ہوتی تھی اور نہ